اسلامی اور پاکستانی حکومتیں

(ڈیڑھ ہزار سال کی مختصر روئداد)

مرتبہ: محمد بشیر ہرل

(بہ سلسلہ حاصلِ مطالعہ)

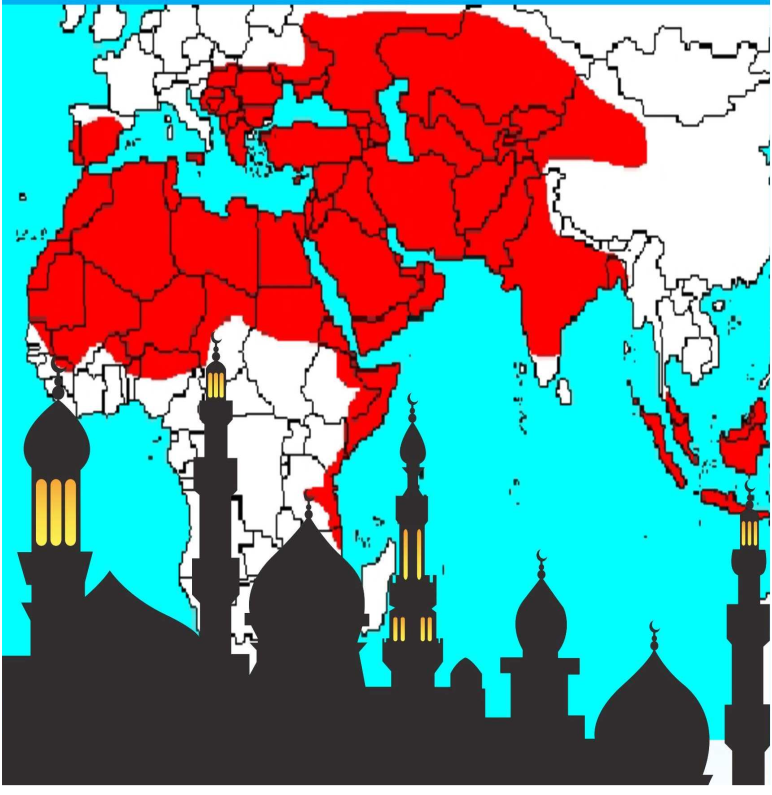

حاصل مطالعه

اسلامی اور پاکستانی حکومتیں

(ڈیڑھ ہزار سال کی مختصر روئداد)
یہ مضمون ۲۰۱۱ میں تحریر کیا گیا

محمد بشیر ھرل

اسلامی تعلیمات

مملکتِ اسلامیہ کی تیز رفتار توسیع کی بنیاد اسلام کی سادہ قابل فہم اور قابل عمل تعلیمات تھیں۔ جن کے دو بنیادی اصول ہیں۔ **اول:** اللہ تعالی کو معبودِ واحد تسلیم کرنا، **دوسرے:** یوم آخرت یعنی جوابدہی کا تصور۔ اور اس کے علاوہ عملی زندگی کے لئے انسانوں کی اخلاقی تربیت۔ مساواتِ حقیقی کا تصور کہ تمام گورے کالے، مشرقی مغربی، ایک باپ کی اولاد ہیں اور یہ کہ کسی آزاد مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا، ایسے عوامل تھے جن سے اسلام کی اپیل بہت تیزی سے پھیلتی گئی۔ الہامی مذاہب کے انبیاء اکرام کی نفی نہیں کی گئی بلکہ ان کی تعلیمات میں جو تحریف ان کے پیشہ ور مذہبی لیڈر کر چکے تھے ان کی اصلاح کی گئی۔ مفتوحہ علاقوں میں اسلام قبول کرنے کی پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ جزیہ کے عوض بھی پورے حقوق اور تحفظ مہیا کئے گئے۔ مفتوح عوام کے ساتھ ساتھ ایسا سلوک ہوتا کہ لوگ خود کو مفتوح کی بجائے آزاد سمجھنے لگتے۔ یروشلم کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروقؓ پیدل داخل ہوئے اور تمام عیسائیوں اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا اعلان فرما دیا۔ سماجی سطح پر زکوۃ کے روپیہ کی مستحقین میں تقسیم' اور ذاتی سطح پر صفائی' نماز' روزہ' حج ایسی پسندیدہ عبادات تھیں کہ لوگ رشک کرتے۔ فرد کی آزادی کا تصور نہایت پر کشش تھا۔ خالق واحد کے ساتھ فرد کے ذاتی تعلق اور جوابدہی کا تصور انسان کی زندگی میں ڈسپلن اور جوابداہی کے احساس کو عادت ثانیہ بنا دیتا تھا۔ اور ہر مسلمان اچھائی میں دنیوی عزت اور آخرت کی سرخروئی تلاش کرتا نظر آتا۔

امت کا عروج

۵۶۹ء میں حضورﷺ کی ولادت باسعادت، ۶۲۲ء میں ہجرتِ یثرب، اور ۶۳۲ء میں وصال ہوا۔ مکہ میں بعثت کے بعد کے ۱۳ سال دعوت وارشاد میں گزرے لیکن مدینہ پہنچتے ہی پہلی باقاعدہ مسجد تعمیر ہوئی اور اخلاقی تربیت شروع ہوگئی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد ۸ برس کے اندر ریاست اتنی قوی ہوچکی تھی کہ ۶۳۰ء میں مکہ بھی فتح ہوگیا۔ اسکے اگلے سال ۶۳۱ء میں تبوک تک پہنچ کر رومیوں کے دروازے پر بھی دستک دی جا چکی تھی اور ۶۳۲ء میں حضورؐ کے وصال تک اسلامی ریاست قائم اور قانون سازی مکمل ہوچکی تھی۔ ریاستی، سماجی، عائلی، عسکری اور تجارتی غرضیکہ ہر شعبہءزندگی کے لئے عملی ہدایات مدون ہوچکی تھیں۔ اسلام کا ظہور ایک ایسی امت کے طور پر ہوا جس کی اخلاقی، قانونی اور عسکری تربیت اس طرح کی گئی تھی کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے صحرا سے ابھر کر آدھی دنیا پر غالب ہوگئی۔ سنۂ ۶۳۲ء میں حضورؐ کی رحلت کے وقت پورا جزیرہ نمائے عرب مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا (نقشہ نمبر ۱)۔ مکہ اور مدینہ میں کفار کا داخلہ بند ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کا اپنے نظامِ حیات پر یقین اتنا پختہ تھا کہ اس کی ترویج واشاعت کے جذبہ کے تحت فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، جو خلفائے راشدین کے دور میں پوری قوت سے آگے بڑھا۔ خلفائے راشدین کے دور ہی میں خطہءعرب اسلام کے تحت متحد ہو چکا تھا۔ اور مجاہدین اسلام کو تین براعظموں تک پھیلا چکے تھے۔ فارس (ایران) حضور کی رحلت کے بارہ سال کے اندر فتح ہو چکا تھا۔ حضورؐ کے وصال کے ایک سو سال کے اندر اندر اسلامی افواج شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ، پرتگال اور سپین کو فتح کر چکی تھیں۔ یہ ریلا ایک صدی بعد ۷۳۲ء میں فرانس میں جا کر رُکا۔ دمشق کی خلافتِ بنو امیہ ۶۶۱ء تا ۷۵۰ء کے دور میں ہی اسلامی سلطنت ۷۲ لاکھ مربع میل کے علاقہ پر پھیل چکی تھی (نقشہ نمبر ۲)۔ ان کے بعد ۳۳۰ سال تک ۳۶ لاکھ مربع میل وسیع خلافتِ عباسیہ (۷۵۰ء تا ۱۰۳۱ء) کا سنہری دور رہا (نقشہ نمبر ۳) جس میں تہذیب وفلسفہ، سائنس وفلکیات کے میدان میں عراق دنیا کا لیڈر بن چکا تھا۔ اسی دوران شمالی افریقہ کے بربر قبائل نے مصر میں (اسماعیلی شیعہ) فاطمی حکومت (۹۰۹ء سے ۱۱۷۱ء) قائم کی (نقشہ نمبر ۶) جو اڑھائی سو سال تک حجاز، اور شمالی افریقہ

کے وسیع علاقوں پر محیط رہی۔ اس سارے عرصہ میں ملی اتحاد اپنی پوری قوت سے پھیل رہا تھا تا آنکہ منگولوں (۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۴ء) کی آندھی شرق وغرب پر چھا گئی۔ (اِنہیں منگولوں کی اولاد میں امیر تیمور پیدا ہوا جس کی نسل سے بابر نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی)۔

دین ایک، خدا ایک، اور خلیفہ ایک کا تصور خلافت کی بنیاد تھا اسی تصور کی بنیاد پر ۱۲۹۹ء میں ترکی میں سلطنتِ عثمانیہ کا قیام عمل میں آیا جو عراق، شام، حجاز، مصر، لیبیا، تیونس، رومانیہ اور بلقان علاقوں بشمول، بلغاریہ، سربیا پر مشتمل تھی۔ یہ عظیم خلافتِ عثمانیہ (۱۲۹۹ تا ۱۹۲۲ء) سوا چھ سو سال تک ۲۴ لاکھ مربع میل پر پوری آب وتاب سے اور بحری قوت کے دبدبہ کے ساتھ روس جیسی بڑی حکومتوں کی آنکھ میں آنکھ ملا کر قائم رہی (نقشہ نمبر ۷)۔

خلافت کا اور ملی وحدت کا خاتمہ

۲۸ جون ۱۹۱۴ کو سربوں نے ہمسایہ ریاست ہپٹس برگ کے آسٹرین حکمران اور اس کی بیوی کو قتل کر کے قبضہ کر لیا۔ اس کے پانچ ہفتہ بعد چار سالہ جنگ عظیم اول شروع ہو گئی۔ جس میں سربوں کا جانی نقصان کسی بھی دوسری قوم سے زیادہ ہوا، لیکن ان کی تحریک کے نتیجہ میں ہپٹس برگ کے لیڈروں نے گھٹنے ٹیک دئے، اور ایک اسلامی مملکت کی بنیاد پڑ گئی جس میں مونٹی نیگرو ۔ بوسنیا۔ کروشیا۔ البانیہ۔ مقدونیہ اور ہنگری کے سارے علاقے شامل تھے۔ ۱۹۱۵ میں گیلی پولی کی جنگ میں ترکی نے اتحادی فوج کو شکست دے دی۔ جس کے بعد اتحادی عیسائیوں نے لارنس آف عریبیا کی سازشوں کے ذریعہ عرب علاقوں میں خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کھڑی کروادی اور پھر دو سال بعد ہی ۱۹۱۷ء میں یروشلم میں عیسائی فوجیں داخل کر دیں۔ اس طرح آٹھ سو سال بعد بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۱۹۱۹ء میں پیرس امن کانفرنس میں خلافت کا خاتمہ کر کے اسلامی وحدت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں اتاترک نے آئینی طور پر خلافت کی حیثیت ختم کر دی۔ ذرا سوچئے ایک ہی صدی کے اندر اندر دنیا کی عظیم ترین، ۶۲۳ سالہ قدیم سلطنت کا کیا انجام ہوا۔ ۱۸۰۰ء میں خلافتِ عثمانیہ تین براعظموں پر غالب تھی اور ۱۹۱۹ء تک اس کی تقسیم مکمل ہو چکی تھی۔ خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد برطانیہ اور فرانس نے شام۔ لبنان۔ فلسطین اور عراق کو آپس میں تقسیم کر لیا اور ایک لیگ آف نیشنز بنا کر وہاں سے اپنے اقدام کی سندِ جواز حاصل کر لی۔ اسی لیگ آف نیشنز کے قیام پر علامہ اقبال نے کہا تھا: بہرِ تقسیم قبور، انجمنِ ساختہ اند ۔ بہرِ تقسیمِ قبور، انجمنے ساختہ اند۔

ایران پر بھی برطانوی اثر غالب ہو گیا۔ مراکش کو برطانیہ اور فرانس نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ الجزائر اور تیونس کو فرانس نے قبضہ میں لے لیا۔ لیبیا اٹلی کے ہاتھ آیا۔ سوڈان برطانوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ فلسطین، اردن، کویت اور عراق برطانیہ کے حوالے کر دئے گئے۔ اسی طرح عدن کی بندرگاہ اور عرب کا مشرقی ساحل بھی برطانیہ کو مل گیا۔ الغرض دوسری جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہوتے پوری اسلامی دنیا ملائشیا سے مراکش تک یورپی اقوام کی محکوم ہو چکی تھی۔ پوری اسلامی سلطنت میں سے صرف خطہء حجاز اور یمن دو ایسے ٹکڑے تھے جو آزاد تھے۔

نئی زندگی، اور تحاریکِ آزادی

اسطرح اگر چہ برطانوی اور فرانسیسی استعمار میں توسیع تو ہوگئی لیکن ان کی معیشت اور نفسیات بہت مجروح ہوگئی۔ برطانیہ کے ساڑھے سات لاکھ فوجی ہلاک ہوئے اور فرانس کے تقریباً پندرہ لاکھ۔ اوپر سے امریکی صدر نے پیرس پہنچ کر حق خود ارادیت کا نعرہ بلند کر دیا۔ بعد میں اگر چہ امریکی وزیر خارجہ نے اس سے جان چھڑانے کے بہت جتن کئے لیکن جن بوتل سے باہر آچکا تھا۔ اور جنگ بند ہوتے ہی مصر اور ہندوستان میں تحاریکِ آزادی متحرک ہونے لگیں۔ ۱۹۴۵ تک تو شمالی افریقہ اور مشرق اوسط میں مغربی استعمار کی گرفت مضبوط رہی، لیکن دوسری جنگِ عظیم نے انکی حالت کمزور کر دی۔ انکی گرفت ڈھیلی ہوگئی اور اسلامی مما لک میں انکے مہرے پٹنے لگے۔ ۱۹۴۵ کے بعد پورے عالم اسلام میں آزادی کا نعرہ گونجنے لگا۔ چنانچہ ۱۹۴۷ میں برطانیہ ہندوستان سے نکل گیا۔ ۱۹۵۲ میں مصر میں شاہ فاروق کی کی غیر حاضری میں فوجی کرنل نے قبضہ کرلیا۔ ۱۹۵۸ میں عراق میں شہنشاہیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور وہاں کے بادشاہ کی لاش گلیوں میں گھسیٹی گئی۔ ۱۹۶۲ میں الجزائر نے اپنی جنگ آزادی جیت لی۔ مراکش اور تیونس بھی آزاد ہو چکے تھے۔ ۱۹۶۹ میں ۲۷ سالہ کرنل قذافی نے شاہ ادریس کا تختہ الٹ دیا اور ۱۹۷۴ میں بادشاہ کو قتل کروادیا۔ اس طرح دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی فتح کے تیس سال کے اندر اندر مغربی استعمار اسلامی دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔

۲۰۱۱ء میں اسلامی ممالک کی حالت

لیکن آیئے آج کا جائزہ لیتے ہیں۔ مصر میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے عوض اربوں روپے کے قرضے معاف کرانے کے باوجود غربت کا دور دورہ ہے۔ اہرام کی سیاحت اور امریکہ کی نقد امداد پر بھروسہ ہے۔ ترکی مسلسل فوجی حکومتوں کا مزہ چکھ چکا ہے اور اسے دیوالیہ پن سے بچنے کے لئے ۱۹ مرتبہ IMF کے در پر دستک دینا پڑی ہے۔ آج سنہ ۲۰۲۰ میں صدر طیب اردگان کی قیادت میں البتہ ترکی سر اٹھا کر آگے بڑھ رہا ہے۔ ایران میں خالص مذہبی حکومت ہے ۔ وہ ایٹمی ریسرچ میں بھی قابل قدر ترقی کر رہا ہے۔ سعودی عرب کی کل آمدن تیل سے ہے اور دفاع کے لئے پوری طرح ان کی پالیسیوں میں امریکہ ہی کا دخل ہے۔ عراق اور اس کا تیل امریکہ کے قبضہ میں ہے۔ الجزائر کے چیتھڑے خانہ جنگی نے اڑا دئے ہیں۔ وہاں ایک لاکھ مسلمان ہلاک ہو چکے ہیں۔ لیبیا کے صدر قذافی کو امریکہ ہلاک کروا چکا ہے اور وہاں ابھی کوئی ترقیاتی عمل ہوتا نظر نہیں آتا۔ سوڈان کے صدر کا تختہ الٹا جا چکا ہے۔ جنوری ۲۰۱۱ء میں تیونس کے صدر ملک چھوڑ کر فرار ہو چکے ہیں۔ موصوف کی بیگم صاحبہ لاکھوں ڈالر نقد کے علاوہ ڈیڑھ ٹن سونا بھی ساتھ لے گئیں۔ اردن علاقہ کی غریب ترین ریاست ہے۔ کویت اور دبئ خوشحال ہیں لیکن پوری طرح امریکہ پر منحصر۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر تیل کو شمار نہ کیا جائے تو کل ۲۲ عرب ممالک کی ٹوٹل قومی آمدن صرف اکیلےفِن لینڈ کی سالانہ آمدن کے برابر ہے۔ نہ صنعت، نہ ٹیکنالوجی، نہ معیارِ زندگی۔ عرب ممالک تائیوان، جنوبی کوریا اور سنگاپور جیسے کافر ممالک کی اڑائی ہوئی دھول میں دُھندلا رہے ہیں۔ جبکہ مشرقِ بعید کے یہ چھوٹے چھوٹے ممالک ۵۰ سال پیشتر ان عرب ممالک سے زیادہ غریب و پسماندہ تھے۔ وہ اسلامی عرب ممالک جو ایک دور میں کرہ ارض پر تہذیب و ثقافت کا عظیم مرکز تھے انکی حالت یہ ہوگئی ہے کہ ساٹھ لاکھ آبادی کی ایک چھوٹی سی ریاست اسرائیل سے پانچ مرتبہ شکست کھا چکے ہیں۔

یکا یک سال ۲۰۱۱ء شروع ہوتے ہی عرب دنیا میں حیران کن حد تک یکساں طرز کے ہنگاموں پر تشدد مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جیسے مغربی ذرائع ابلاغ نے Arab Spring کا نام

دیا۔ نتیجہ کے طور پر مشرقِ وسطیٰ کا امن قصہٗ ماضی بن چکا ہ۔ امریکہ میں جدید ٹیکنالوجی سے Shale Oil کی ڈرلنگ شروع ہونے کے بعد بین الاقوامی منڈی میں تیل کی قیمتیں گرنا شروع ہوگئیں اور قیمتیں مستحکم رکھنے کی کوششیں بظاہر کامیاب ہوتی نظر نہیں آ رہی تھیں حتیٰ کہ سن ۲۰۱۹ء میں امریکہ تیل کی پیداوار میں خود کفیل ہوگیا اور اس نے ڈھٹائی کے ساتھ تمام مقبوضہ علاقوں کو اسرائیل کی یہودی ریاست کا حصہ تسلیم کرلیا۔ (قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ دسمبر ۲۰۱۹ میں کرونا وائرس نے دنیا میں ایسی تباہی پھیلائی کہ کرۂ ارض پر لاکھوں افرادف لقمۂ اجل بن گئے اور ہر قسم کی صنعتی اور تجارتی عمل رک جانے سے تیل کی ڈیمانڈ میں ایسی کمی آئی کہ ۲۱ اپریل ۲۰۲۰ کو تیل کی ہر بیرل کے ساتھ ڈیڑھ ڈالر نقد بھی دینی کی پیشکش کرنی پڑی۔ ان اللہ علیٰ کل سیی قدیر)۔

ترکی نے شکست کے بعد ۱۹۲۹ء میں یورپ کے ساتھ عرب ممالک سے دستبرداری کا جو مفتوحانہ معاہدہ کیا تھا وہ بھی ۲۰۲۹ء میں ختم ہونے والا ہے۔ دیکھیے اس کے بعد کیا صورت حال پیش آتی ہے۔

Arab Spring کے اثرات

☆ ۱۴ جنوری ۲۰۱۱ کو تیونس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور صدر زین العابدین ملک سے بھاگ گئے۔

☆ ۱۱ فروری ۲۰۱۱ ؁ مصر کے صدر حسنی مبارک کی حکومت ختم کر کے اس پر قتل عام کا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔

☆ ۱۵ فروری ۲۰۱۱ کو لیبیا میں پر تشدد ہنگامے شروع ہو گئے تا آنکہ ۲۳ اگست ۲۰۱۱ کو صدر معمر قذافی کی حکومت ختم کر کے ۲۰ اکتوبر کو انہیں قتل کر دیا گیا۔

☆ ۳ فروری ۲۰۱۱ کو یمن میں ہنگامے پھوٹ پڑے جن میں ۴ جون کو صدر عبداللہ صالح زخمی ہو گئے۔ بالآخر ۲۳ نومبر ۲۰۱۱ کو ۳۳ سال حکومت کرنے کے بعد انہیں مستعفی ہونا پڑا۔ امن پھر بھی نہ قائم ہوا، اور ان کے جانشین کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ تیسرے صدر مارچ 2015 میں حوثی قبائل کے مظاہروں کی تاب نہ لا کر سعودی عرب فرار ہو چکے ہیں اور سعودی حکومت ۱۰۰ جدید جنگی طیاروں سے دن رات بے رحمانہ بمباری کر رہی ہے۔ حیرت ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی تمام امریکی اور یورپی شہری یمن چھوڑ گئے۔

☆ ۲۶ جنوری ۲۰۱۱ کو ہی شام میں بھی حکومت کے خلاف بغاوت اور پر تشدد مظاہرے شروع کروا دیئے گئے جن کو دبانے کیلئے ٹینک استعمال ہونے سے بیک وقت سینکڑوں شہری ہلاک ہونے لگے حتیٰ کہ ۲۰۲۰ آتے آتے شام میں دھول اڑنے لگی ہے۔

☆ سال ۲۰۱۵ کے آنے تک مصر (۲ بار)' لیبیا' تیونس اور یمن (۲ بار) کی حکومتیں معزول کی جا چکی تھیں۔ الجزائر' بحرین' اردن' عراق' کویت' مراکش' اومان' اسرائیل اور سوڈان میں بدامنی اور تشدد پھیل چکا ہے اور جبوتی' موریطانیہ' سعودی عرب' مغربی صحارا اور فلسطین میں بھی مظاہروں کی ابتدا ہو چکی ہے۔ یمن پر ہمسایہ مسلمان ملک اور امریکہ کا اتحادی سعودی عرب بمباری کر رہا ہے اور امت مسلمہ سعودی عرب کی حمایت کر رہی ہے۔

پاکستان کی زبوں حالی

(چونسٹھ برس کی مختصر روئیداد)

خاکم بدہن، اب ۲۰۱۱ء میں پاکستان کی جغرافیائی تقسیم کے نقشے شائع کئے جا رہے ہیں۔ دونوں سرحدوں پر دباؤ بڑھایا جا رہا ہے اور نا قابلِ قبول مطالبے کئے جا رہے ہیں۔ ہمارے ایٹم بم کی حفاظت کی پیش کشیں کی جا رہی ہیں۔ اپنے ملک کے اندر فوجی کاروائی کرنے کے مطالبے کئے جا رہے ہیں۔ ہماری لیڈر شپ کو بدنام کرنے کی بلند آہنگ مہم جاری ہے اور افواہیں مسلسل پھیلائی جا رہی ہیں۔ لیکن پاکستان قائم رہنے کے لئے بنا ہے اور ہمارا پختہ ایمان ہے کہ جس نے یہ ملک دیا ہے وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ اور دشمن کے دانت ہمارے ہاتھوں سے کھٹے کروائے گا۔ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی سیاسی تاریخ کا بھی جائزہ لے لیں۔ غور کریں تو ہمارے دکھوں کی جڑیں قیامِ پاکستان کے اولین سالوں ہی میں نظر آتی ہیں۔ ان کا صوبہ وار سرسری جائزہ لیتے ہیں:

۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو قائم ہونے والا پاکستان۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان

صوبہ بنگال (مشرقی پاکستان)

تقسیم سے پہلے حسین شہید سہروردی، جو اچھے مقرر اور مقبول بنگالی لیڈر تھے، پورے متحدہ بنگال کے وزیرِ اعظم تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو ان کی بجائے شریف النفس لیکن غیر منتخب مسلم لیگی خواجہ ناظم الدین کو مشرقی پاکستان کا وزیرِ اعلیٰ بنایا گیا۔ اسطرح سہروردی کے لئے ہمدردی پیدا ہوئی جس کو بعد میں انکے نائب شیخ مجیب الرحمان نے خوب استعمال کیا۔ بہت کم بنگالی اعلیٰ سول یا فوجی عہدوں پر فائز تھے۔ جب صوبے کے کلیدی عہدوں پر پنجابی افسر مقرر ہوئے اور سنٹرل سپیریئر سروس CSS کا اعلان ہوا جس میں بھرتی صلاحیت اور انٹرویو کی بنیاد پر، پورے پاکستان سے انتخاب کے بعد ہونی تھی، تو پڑھے لکھے بنگالیوں میں بے چینی پیدا ہوائی۔ اسی طرح فوج میں بھرتی کا معیار بھی کل پاکستان کی بنیاد پر انتخاب تھا۔ فضائیہ میں بھی انگریز دور کی طرح جہلم، لاہور، راولپنڈی، ملتان، پشاور، سرگودہا اور سیالکوٹ کے امیدواروں کو ترجیح دی جاتی رہی۔ ادھر اگست ۱۹۴۷ء میں ہی ایک بنگالی وزیر فضل الرحمان نے یہ بیان دے دیا کہ اگرچہ صوبوں میں ذریعہِ تعلیم صوبائی زبانیں ہونگی تاہم بین الصوبائی معاملات کے لیے ایک قومی زبان ہوگی جو شائد اردو ہوگی۔ یہ انکشاف بہت بے وقت تھا۔ چنانچہ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہوتے ہی ایک بنگالی ممبر نے رولز میں ترمیم کی تجویز بیش کردی کہ اردو اور انگریزی کے علاوہ بنگالی میں تقاریر کی بھی اجازت ہونی چاہیئے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ چونکہ ملک کی کل آبادی ۷ کروڑ میں سے ساڑھے چار کروڑ عوام (۶۴ فیصد) کی زبان بنگالی ہے اس لئے قومی زبان بنگالی ہونی چاہیئے۔ وزیرِ اعظم لیاقت علی خان نے اس کے جواب میں سخت دلائل دیئے۔ آئین ساز اسمبلی میں اس بحث کے بعد مشرقی پاکستان میں بنگالی زبان کے حق میں مظاہرے اور ہڑتالیں شروع ہوگئے حتیٰ کہ لاٹھی چارج اور آنسو گیس استعمال کرنی پڑی، ڈھاکہ میں ایک ہفتہ کا کرفیو لگانا پڑا، دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی گئی اور جلسہ جلوس پر پابندی لگادی گئی۔ مشرقی پاکستان کی صوبائی اسمبلی نے بنگالی کو مشرقی پاکستان کی سرکاری زبان بنانے کی قرارداد منظور کرلی۔ حضرت قائدِ اعظم مارچ ۱۹۴۸ء میں ڈھاکہ تشریف لے گئے تو ۲۱ مارچ کو ایک بڑے جلسہء عام سے

خطاب فرماتے ہوئے یہ اعلان فرمایا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہوگی، دوسری کوئی زبان نہیں ہوگی۔ اس اعلان پر سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے اسکی مخالفت میں بنگالی اورزیادہ متحرک ہوگئے۔ سہروردی کے ہٹائے جانے، سول اورفوجی اعلیٰ عہدوں پر بنگالیوں کی کم تقرریوں، اوراردو کوقومی زبان بنائے جانے کے مسائل کو بہت اچھالا گیا، اور بنگالی قومیت کے جذبہ کو بہت پذیرائی ملی۔ بنگالی حقوق کی پامالی کا پروپیگنڈا شروع ہوگیا، حتیٰ کہ مشرقی پاکستان کی مسلم لیگی حکومت نے پٹ سن کی برآمد سے ہونے والی کل آمدن جوکہ ملکی برآمدات کا بڑا حصہ تھی، مشرقی پاکستان کو دیے جانے کا مطالبہ کردیا۔ اوراسی مسئلہ پر بنگالی وزیر تجارت نے دسمبر ۱۹۴۹ء میں وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔ زبان کا مسئلہ اتنا بڑھا کہ ۱۹۵۲ء میں طلباء کے ایک زبردست مظاہرے پر گولی چلانی پڑی۔ ۲۶ لوگ مارے گئے اور ۲۰۰ زخمی ہوئے۔ اس پر بنگالی زبان کو بھی اردو کے ساتھ ساتھ قومی زبان قرار دے دیا گیا۔ (کاش یہ اقدام ۱۹۴۸ء میں ہی کرلیا جاتا)۔ پٹ سن کا مطالبہ بنگالیوں کے قومی مطالبہ کی شکل اختیار کرگیا حتیٰ کہ ۱۹۶۵ء میں سہروردی کے جانشین مجیب الرحمان کے ۶ نکات کا مرکزی نکتہ بن کرسامنے آیا۔ اس سیاسی بے چینی کو صوبہ کی معاشی پس ماندگی نے اورشدید کردیا، اوریہ احساس عام ہوگیا کہ سارے ترقیاتی کام صرف مغربی پاکستان میں ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو بہت بُری شکست ہوئی۔ ۲۳۷ میں سے ۲۲۳ نشستیں مسلم لیگ کے مخالف محاذ نے جیت لیں۔ جس پر نومنتخب اسمبلی کوحکومت دینے کی بجائے معطل کردیا گیا، اورسکندر مرزا کومشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کردیا گیا۔ اس طرح چندہی سالوں کے اندر ایسی شکایات پیدا ہوگئیں جن کے باعث آزادی کے ۲۴ برس بعدہی وہ اکثریتی صوبہ ملک سے الگ ہوکر بنگلہ دیش بن گیا جہاں مسلم لیگ کی بنیادرکھی گئی تھی اور جہاں کے مولوی فضل الحق نے قراردادِ پاکستان پیش کی تھی۔

صوبہ پنجاب

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو سر فرانسس موڈی کو جو کہ یو پی کے آئی سی افسر تھے، صوبہ پنجاب کا پہلا گورنر، اور نواب افتخار حسین ممدوٹ کو پہلا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا جو دونوں ۱۹۴۹ء تک تسلسل کے ساتھ برسر اقتدار رہے۔ دارالحکومت اگرچہ کراچی میں تھا، تاہم مرکز کے ساتھ صوبہ کی کوئی کشمکش سامنے نہیں آئی۔ فوج اور سول سروس میں پنجابی افسران کی پہلے ہی اکثریت تھی جو بدستور قائم رہی۔ ہندوستان سے بیشتر پنجابی تاجر اپنا سرمایہ لے کر پاکستان آ گئے اور صوبہ میں حکومت کی مدد سے کارخانے لگنے شروع ہو گئے جس سے خوشحالی میں اضافہ ہوتا گیا۔ متروکہ املاک کی الاٹمنٹ میں مہاجرین کے ساتھ ساتھ مقامی لوگ بھی منہمک ہو گئے۔ البتہ یہاں مہاجرین کی آمد سے کچھ سنگین مسائل پیدا ہوئے کیونکہ کل ۷۰ لاکھ مہاجرین میں سے ۶۰ لاکھ پنجاب میں آباد ہوئے تھے۔ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر بھی اکثر یوپی سے آئے ہوئے افسران مقرر ہوئے۔ پہلے ہوم سیکریٹری بھی یوپی کے ایک آئی سی ایس افسر احمد علی کو لگایا گیا۔ لیکن پنجاب میں اردو زبان اجنبی نہیں تھی۔ جب ۱۹۵۱ء میں راولپنڈی کے جلسہء عام میں قائدِ ملت لیاقت علی خان کو گولی مار کر شہید کر دیا گیا تو قتل میں بااثر پنجابی سیاستدانوں کے ملوث ہونے کی باتیں بھی ہوئیں لیکن یہ افواہیں ہی رہیں۔ اندرونی طور پر پنجاب کی افسر شاہی کی بے انصافیوں اور عوام پر تشدد کے باوجود پنجاب میں مرکزی حکومت یا ریاست کے خلاف کوئی قابلِ ذکر جذبات کبھی پیدا نہیں ہوئے۔

صوبہ (سرحد) خیبر پختونخوا

قیامِ پاکستان کے وقت صوبہ سرحد میں کانگرس کی حکومت تھی اور خان عبدالغفار خان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب وزیرِ اعلیٰ تھے۔ ۱۹۴۶ کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی میں کانگرس نے ۲۱ سیٹیں اور مسلم لیگ نے ۱۵ سیٹیں جیتی تھیں۔ لیکن ڈاکٹر خان صاحب اور انکی پارٹی نے ہندستان میں شمولیت کے لئے ووٹ ڈالے تھے۔ چنانچہ ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کو برطرف کر کے مسلم لیگی عبدالقیوم خان کو وزیرِ اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ قیوم خان کو اطلاع تھی کہ ڈاکٹر خان صاحب آزاد پختونستان کا اعلان کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے وزیرِ اعلیٰ بنتے ہی عبدالغفار خان کو گرفتار کر لیا جنہیں اگلے ہی دن فرنٹیئر کرائمز ریگو لیشنز کے تحت ۳ سال کی سزائے قید سنا دی گئی۔ اس پر سرخ پوشوں نے حکومت کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ قیوم خان نے سخت اقدامات کیے۔ ایک جلسہ پر فائرنگ میں سینکڑوں لوگ مارے گئے اور ہزاروں کو جیل میں ڈالا گیا۔ افغانستان نے سرخ پوشوں کی حمائیت شروع کر دی چنانچہ ۱۹۴۸ء میں غفار خان اور عبدالصمد اچکزئی نے پختونستان کے قیام کا مطالبہ داغ دیا جو عوامی حمایت حاصل نہ ہو سکنے کی وجہ سے اور مناسب انتظامی اقدامات کے باعث دم توڑ گیا۔ لیکن افغانستان نے پاکستان کو زِچ کرنے کا کوئی موقع آج تک ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ روسی اور بعد میں امریکی فوجی مداخلت کے دوران پاکستان کے احسانات کو سراسر فراموش کر کے اپنی دشمنی کا رخ پاکستان کی طرف موڑ دیا اور کاروں کے ذریعہ ہمارے ملک کا امن وامان درہم برہم کر دیا۔ بالآخر پاکستان کو سرحدی قبائلی علاقوں میں فوجی اقدام کر کے فاٹا کو خیبر پختونخواہ کا حصہ بنا کر پاکستان کو سنبھالنا پڑا اور افغان سرحر پر بھاری اخراجات سے باڑ لگانے کا عمل شروع کرنا پڑا۔

صوبہ سندھ

گول میز کانفرنس میں اٹھائے گئے مطالبہ کے نتیجہ میں ۱۹۳۵ء میں سندھ علیحدہ صوبہ بنا۔ ۱۹۳۸ء میں سندھ اسمبلی میں ہی جی ایم سید نے مسلمانوں کے لئے آزاد ریاستوں کے قیام کی قرارداد پیش کی تھی لیکن سندھ میں پنجابی آبادکاروں کو زمینیں الاٹ ہونے کی وجہ سے سندھیوں کو پنجابی پسند نہ تھے۔ پنجاب اور سندھ کے لوگوں میں تہذیبی فاصلہ بھی ایک حقیقت ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی کو دارالحکومت بنایا گیا تو دوسرے شہروں سے آئے ہوئے افسران اور کاروباری لوگ کراچی میں آباد ہونے لگے۔ اردو بولنے والے مہاجرین بھی زیادہ تر کراچی میں آباد ہوئے۔ اس سے سندھیوں میں بے چینی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ جب قائدِ اعظم نے کراچی کو مرکز کی تحویل میں لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو وزیرِ اعلیٰ ایوب کھوڑو نے جو ایک بڑے سندھی زمیندار تھے، برملا مخالفت کی۔ ۱۹۴۸ء کے اوائل میں ہی یومِ کراچی منانے کے لئے ہڑتال ہوئی اور صوبائی اسمبلی نے اس تجویز کے خلاف قرارداد منظور کر لی۔ یہیں سے سندھی مہاجر تضاد کی ابتدا ہوئی۔ چنانچہ ایوب کھوڑو کو وزارت سے برطرف کر دیا گیا اور مقدمہ چلا کر تین سال کے لئے نا اہل قرار دے دیا گیا۔ حیدرآباد اور کراچی میں ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائدادیں مہاجرین کی آبادکاری کے لئے الاٹ ہونے لگیں۔ اردو کو قومی زبان قرار دے دیا گیا۔ اور جب سندھ کے سکولوں میں سندھی زبان کو لازمی کی بجائے اختیاری زبان قرار دیا گیا تو اردو بولنے والے مہاجرین سندھ کی مقامی زبان سے بالکل ہی نا بلد رہنے لگے۔ اور سندھ کے سب سے بڑے شہر میں اردو سپیکنگ کمیونٹی الگ تھلگ نظر آنے لگی، اور یہ تفریق روز بروز نمایاں ہوتی گئی۔ دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کے تنازعات بھی انگریز کے زمانے سے موجود تھے۔ سندھ کی معیشت ہمیشہ سے دریائے سندھ کے پانی پر ہی منحصر تھی چنانچہ جب انگریزوں نے بیسویں صدی کے شروع میں پنجاب میں نہری نظام قائم کرنا شروع کیا تو سندھ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو گئی تھیں۔ پنجاب پر پانی سے متعلقہ الزامات لگنے شروع ہو گئے تو ۱۹۳۰ء کی دہائی میں انڈس واٹر کمشن بنا، جس نے سندھ اور پنجاب میں پانی کی تقسیم کے متعلق سفارشات تیار کر لیں لیکن کسی فیصلہ پر اتفاق سے پہلے

ہی ہندوستان تقسیم ہو گیا اور سندھ کے خدشات بدستور رہے۔ اس طرح اردو سپیکنگ مہاجرین، کراچی میں غیر سندھی آباد کار، اور دریائے سندھ کے پانی کا مسئلہ روزِ اول سے ہی سندھ میں مرکزی مسئلے رہے ہیں۔ ادھر شروع میں مرکز اور سندھ کی حکومتوں میں کشمکش کے نتیجہ میں سندھ کی حکومتیں ہر سال تبدیل ہوتی رہیں جس سے سیاست دانوں کی بجائے اسٹیبلشمنٹ مضبوط ہوتی گئی۔ ایوب کھوڑو ۱۹۴۷ء میں وزیرِ اعلیٰ بنے اور ۱۹۴۸ء میں برطرف ہو گئے۔ پیر الٰہی بخش ۱۹۴۸ء میں بنے تو ۱۹۴۹ء میں برطرف ہو گئے۔ یوسف ہارون بنے تو ایک سال بعد وہ بھی برطرف ہو گئے۔ پھر قاضی فضل اللہ وزیرِ اعلیٰ بنے تو انہیں بھی ۱۹۵۱ء میں برطرف کر دیا گیا۔

صوبہ بلوچستان

باقی تین صوبوں کی طرح کا حکومتی ڈھانچہ بلوچستان کی صرف ایک پٹی میں موجود تھا جو برٹش بلوچستان کہلاتی تھی اور شمال میں افغانستان کی سرحد کے ساتھ ایران کی سرحد تک کے علاقہ پر مشتمل تھی۔ وسیع و عریض بلوچستان کا باقی سارا علاقہ بلوچ سرداروں کی ریاستیں تھیں جو اندرونی طور پر آزاد، اور باہم ایک ڈھیلی ڈھالی یونین میں شامل تھیں۔ ۱۹۴۳ء میں کوئٹہ میں مسلم لیگ کی کانفرنس سے خطاب کے دوران قائد اعظم نے بلوچستان کے لئےمکمل صوبہ کے درجے کا مطالبہ کیا تھا۔ ستمبر ۱۹۴۵ء میں قائدِ اعظم ایک ماہ کے لئے خان آف قلات کے مہمان بھی رہے تھے، جہاں انہیں اور مس جناح کو ان کے وزن کے برابر سونے اور چاندی میں تولا گیا تھا جو بتدریج ۱۱۲ پونڈ اور ۱۱۱ پونڈ تھا۔ مس جناح کو ایک لاکھ روپے مالیت کا ایک قیمتی ہار بھی پیش کیا گیا تھا۔ یہ بلوچستان کی سب سے بڑی ریاست کی طرف سے تحریکِ پاکستان کے قائد کی پذیرائی اور ان کے ساتھ خیر سگالی کا مظہر تھا۔ ڈیڑھ سال بعد، فروری ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے سرکاری طور پر اعلان کر دیا کہ جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کو تقسیم کر کے دو حکومتوں کے حوالے کر دیا جائیگا اور وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستانی سیاستدانوں کے ساتھ مذاکرات شروع کیے تو خان آف قلات سے بھی ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بعد ہی خان آف قلات نے اعلان کر دیا کہ برطانیہ کی واپسی کے بعد قلات اپنی خود مختاری کا اعلان کر دے گا۔ البتہ قیامِ پاکستان کے دن ۱۴ اگست کو ایک معاہدہ ہو گیا جس پر ایک طرف قائدِ اعظم اور قائدِ ملت، دوسری طرف خان آف قلات اور ان کے قانونی مشیر نے، اور ان کے علاوہ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے بھی دستخط کیئے۔ اس معاہدہ میں تسلیم کیا گیا کہ حکومتِ پاکستان کو ریاست قلات کے بارے میں وہ تمام آئینی، قانونی اور سیاسی حقوق حاصل ہوں گے جو حکومتِ برطانیہ کو حاصل تھے۔ یہ بھی طے ہوا کہ قلات اور پاکستان کے درمیان دفاعی، خارجی اور مواصلاتی امور کے بارے تعلقات کی تفصیل طے کرنے کے لیے بعد میں کراچی میں مذاکرات ہونگے۔ لیکن خان آف قلات نے اگلے ہی روز، ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ ۲۰۔ اگست ۱۹۴۷ء کو کوئٹہ میں پنجابی

مہاجرین اور مقامی پٹھانوں کے درمیان، اور ملکی و غیر ملکی ہندو آبادی کے درمیان فسادات شروع ہو گئے۔ جس پر ایک سو سرداروں کو گرفتار کر لیا گیا، اور کیمپوں میں ۱۵،۰۰۰ پناہ گزینوں میں مفت راشن اور دودھ تقسیم کیا گیا۔ کوئٹہ میں متعین، گورنر جنرل کے انگریز نمائندے نے فسادات کی ساری ذمہ داری مشرقی پنجاب سے آئے مسلمان مہاجرین پر عائد کر دی۔ اس سے پنجابی اور بلوچوں کے درمیان تضاد میں اضافہ ہوا۔ اسی دوران خاران، لسبیلہ اور مکران کی ساحلی ریاستوں نے پاکستان سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ اس طرح قلات، چاروں طرف سے گھیرے میں آ گیا تو ۲ مارچ ۱۹۴۸ء کو قلات نے بھی پاکستان کے ساتھ الحاق کا معاہدہ کر لیا۔ لیکن پھر ایک سال کے اندر ہی خان آف قلات کے قریبی عزیز پرنس عبدالکریم جھلاوان کے علاقہ سے باغیانہ لٹریچر، بے شمار اسلحہ اور ۱۶۰ مسلح ساتھیوں سمیت گرفتار ہوئے تو ان کے پاس سے باب کا دیا ہوا پاکستان کی کافر (؟) حکومت کے خلاف جہاد کا ایک فتویٰ بھی برآمد ہوا، اور عظیم ریاست بلوچستان کا ایک ایسا آئینی مسودہ بھی برآمد ہوا جس کی رُو سے صرف بلوچوں کو ہی بلوچستان کا شہری تسلیم کیا جانا تھا۔ حضرت قائدِ اعظم نے دوسرے تمام سرداروں کے وظائف اور مراعات بھی بدستور جاری رکھنے کا اعلان کر دیا تھا، وہ اپنے اپنے علاقوں میں بادشاہوں کی حیثیت سے لوگوں کی زندگی، موت، مال اور آبرو کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کے دورِ صدارت میں ایک ٹی وی انٹرویو میں سردار عطاءاللہ مینگل سے جب پوچھا گیا کہ صدر پرویز مشرف کے کوہلو میں جلسہ پر راکٹ حملہ کیوں کیا گیا، تو سردار مینگل نے برملا جواب دیا کہ صدر صاحب کس سے پوچھ کر وہاں آئے تھے؟۔ انہوں نے مزید یہ بھی کہا کہ میری قوم کا بچہ بھی اپنے علاقہ میں غیر (؟) کی آمد کی مزاحمت کریگا چاہے اس کے پاس صرف ایک لاٹھی ہی ہو۔ بلوچستان میں ۱۹۴۷، ۱۹۴۸، ۱۹۷۰ سمیت اب تک متعدد بار بغاوت نما حالات پیدا ہو چکے ہیں۔ بگٹی سردار اکبر بگٹی بار بار انتباہ کے باوجود سوئی گیس کی لائنوں کو دھماکے سے اڑانے سے باز نہ آئے تو فوجی ایکشن کرنا پڑا جس کے دوران ایک کرنل اور چند دوسرے افسر بھی حادثاتی دھماکہ سے غار میں دفن ہو گئے۔

کشمیر

تقسیم ہند کے وقت ریاستوں کو حق دیا گیا تھا کہ بھارت یا پاکستان، جس سے چاہیں الحاق کر لیں۔ کشمیر کا حکمران مہاراجہ ہری سنگھ ہندو تھا جبکہ عوام کی بھاری اکثریت مسلمان تھی جو پاکستان سے الحاق چاہتی تھی۔ راجہ نے الحاق کا فیصلہ کرنے کے لئے مہلت مانگ لی جو دے دی گئی۔ لیکن راجہ کی نیت کی بھنک پڑنے پر جموں کے مسلم عوام نے پاکستان کے ساتھ الحاق کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اس کے مسلسل لیت ولعل سے تنگ آ کر مغربی کشمیر کے مسلمان باشندے دِیر کے قبائلی لشکر سے مل کر کشمیر میں داخل ہو گئے اور کامیابی سے پیش قدمی شروع کر دی۔ راجہ نے شروع میں کچھ مزاحمت کی، لیکن بعد میں اس نے بھارت کے گورنر جنرل سے مدد کی درخواست کر دی۔ چونکہ پاکستان اور بھارت میں عدم مداخلت کا معاہدہ موجود تھا، لارڈ مونٹ بیٹن نے راجہ ہری سنگھ سے کہا کہ اگر ہماری مدد درکار ہے تو بھارت سے الحاق کرنا ہوگا۔ لشکر کی بارہ مولا اور سری نگر کی طرف مسلسل پیش قدمی سے گھبرا کر ہندو راجہ نے بھارت سے الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیئے۔ اس طرح اکتوبر ۱۹۴۷ء میں بھارتی فوجیں کشمیر میں داخل ہو گئیں اور مجاہدین کا لشکر سری نگر میں داخل نہ ہو سکا۔ بھارت پاکستان کے خلاف شکایت لے کر اقوامِ متحدہ میں چلا گیا جہاں سے اکتوبر ۱۹۴۸ء میں قرار داد نمبر ۴۷ پاس ہوئی جس میں جنگ بندی کا حکم دیا گیا، اور پاکستان کو مداخلت سے روک دیا گیا لیکن بھارتی فوج کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ کشمیر سے کسی کو نکال سکے۔ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ رائے شماری سے کرنے کا کہا گیا، جس پر دونوں ممالک متفق ہو گئے لیکن بعد میں شیخ عبداللہ اور پنڈت نہرو رائے شماری سے منحرف ہو گئے جس پر کشمیر میں عوامی مزاحمت شروع ہو گئی جو آج تک جاری ہے۔ اس میں ۱۹۸۹ء سے شدت آ گئی تھی۔ اسی مسئلہِ کشمیر پر ۱۹۹۸ء میں کارگل کا ہلاکت آفریں معرکہ اور قبل ازیں ۱۹۶۵ء میں ۱۷ روزہ بے نتیجہ جنگ بھی ہو چکی ہے۔ جنگ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھارت نے سیاچین کے علاقہ میں بھی اپنی فوجیں داخل کر دیں۔ یہ سنگین معاملہ ۷۲ سال سے معلق ہے۔

دفعہ ۳۷۰ کا خاتمہ اور کشمیر کا بھارت سے الحاق

۵ اگست ۲۰۱۹ء کو آئین، قانون، بین الاقوامی یقین دہانیوں اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے نریندر مودی کی بی جے پی حکومت نے بھارتی آئین سے دفعہ ۳۷۰ ختم کردی جس کے تحت کشمیر کو خصوصی حیثیت حاصل تھی اور اس طرح آئینی طور پر کشمیر کی خصوصی حیثیت ختم کردی گئی۔ سال ۲۰۱۹ کے آخر میں کشمیر کو تین خود مختار علاقوں لداخ، کشمیر اور جموں میں تقسیم کر کے براہ راست دہلی حکومت کے زیر انتظام لے لیا ہے۔ اس پر پاکستان میں بہت احتجاج اور یونیورسٹیوں، ریڈیوز اور ٹی وہ پر بہت احتجاجی پروگرامز ہوئے اور اس دن سے کشمیری عوام سراپا احتجاج ہیں لیکن وہاں سخت سنسر اور کرفیو نافذ کر کے ان کے لیڈروں کو بھارت کے دوسرے علاقوں کی جیلوں میں منتقل کیا جا رہا ہے، اور نہتے کشمیریوں کا خون آج بھی بہہ رہا ہے۔ کوہِ ہمالیہ سے نکلنے والے دریاؤں کے دہانے کشمیر میں ہونے کی وجہ سے بھارت پاکستان کے پانی پر اپنا اختیار قائم رکھنے کا خواہشمند ہے۔ لیکن جلد یا بدیر، اس کو اپنی ہٹ دھرمی چھوڑتے ہی بنے گی۔

ناجائز الحاق

آخر کار ۳۰ دسمبر ۲۰۱۹ء کو بھارت نے اپنے آئین میں ترمیم کر کے کشمیر کو تین الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے یعنی لداخ، کشمیر و جموں۔ یہ تینوں علاقے الگ الگ براہ راست دہلی حکومت کی نگرانی میں رہیں گے۔ یعنی کشمیر کا بھارت کے ساتھ یکطرفہ الحاق مکمل کر لیا گیا۔ افسوس ہے کہ پاکستان کے بھرپور احتجاج اور توجہ دلانے کے باوجود عالمی طاقتوں نے بھارت کی نہ مذمت کی نہ اس کا راستہ روکا۔ یعنی جیسے ۱۸ جنوری ۲۰۲۰ء کو امریکہ نے اسرائیل کے قبضہ میں تمام فلسطینی علاقوں کو اسرائیل کی یہودی ریاست کا حصہ تسلیم کر لیا ہے اسی طرح امریکہ اور اس کے حواری مقبوضہ کشمیر پر بھارت کا قبضہ جائز تسلیم کر چکے۔ جبکہ بھارت ۹۳،۰۰۰ کشمیریوں کو شہید، ہزاروں کو زخمی اور اندھا کر چکا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

الحاصل

یہ ہیں وہ مشکلات جو روزِ اول سے پاکستان کو درپیش ہیں۔ معیشت، بنکنگ، تعلیم، انجینئرنگ، مواصلات، میڈیسن، ریسرچ، غرضیکہ ہر شعبہ میں ہماری بہترین اور جدید ترین صلاحیتوں، موبائل فون، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، حتیٰ کہ نیوکلیر سائنس میں ترقی یافتہ ممالک کے ہم پلہ ہونے کے باوجود ہماری زبوں حالی کی وجہ ایک نوعمر قوم کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کے علاوہ یہی مسائل اور (افغانستان میں امریکی مداخلت کے طفیل) ہمارے قبائلی علاقوں کی بدامنی ہے۔ اس پر مستزاد وہ سودی قرضے ہیں جن کے بل پر غیر اقوام ہمیں دباتی چلی آ رہی ہیں۔ اگر مندرجہ بالا وجوہات دور کی جا سکیں اور یہ قرضے واپس کیے جا سکیں تو ہم طویل منصوبہ بندیاں کر کے قدم آگے بڑھا سکیں گے، اور سو فیصد تعلیم اور سو فیصد روزگار کا خواب شرمندہ تعبیر کر سکیں گے۔

محمد بشیر ہرل۔ 0333-651776

(اگلے صفحات پر دیئے ہوئے نقشوں سے بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے)

مختلف ادوار کی اسلامی مملکت کے نقشے

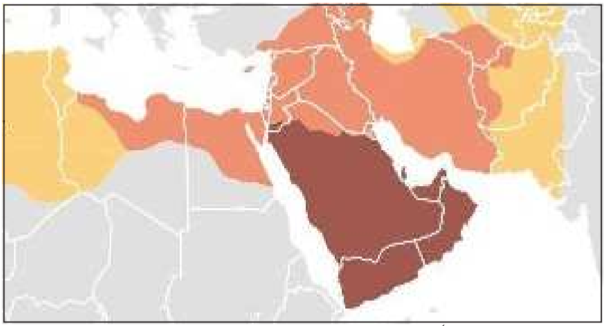

عہدِ رسول اللہ ﷺ میں مملکتِ اسلامیہ (۶۲۲ تا ۶۳۲ ء) پورا جزیرہ نمائے عرب

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں

عہد خلافت اشدہ میں مملکت اسلامیہ (۶۳۲ تا ۶۶۱ ء)

سلطنت بنوامیہ(۶۶۰ تا ۷۵۰ء)۵۷ لاکھ مربع میل

سلطنت عباسیہ(۷۵۰ تا ۱۲۰۶ء)۳۸ لاکھ مربع میل

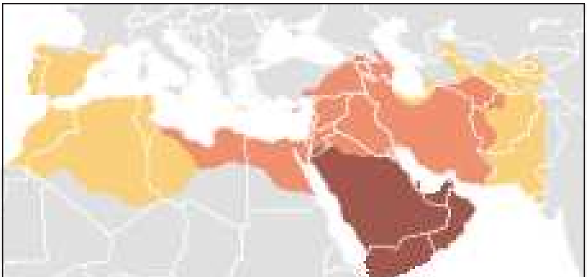

مصر کی فاطمی مملکت(۹۰۹ تا ۱۱۷۱ء)۱۹ مربع میل

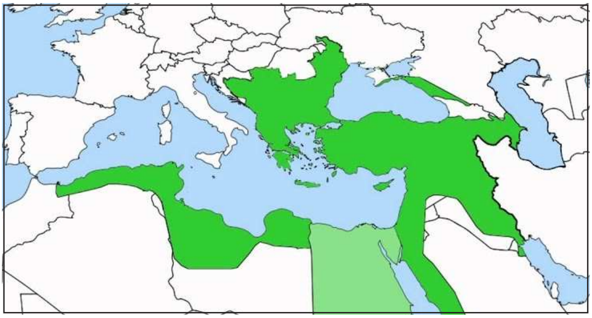

خلافت عثمانیہ (۱۲۹۹ تا ۱۹۳۳ء) ۲۴ لاکھ مربع میل ۱۸۰۰ء میں خلافت عثمانیہ تین براعظموں پر غالب تھی اور ۱۹۱۹ء تک اس کی تقسیم مکمل ہو چکی تھی وسیع ترین اسلامی دنیا

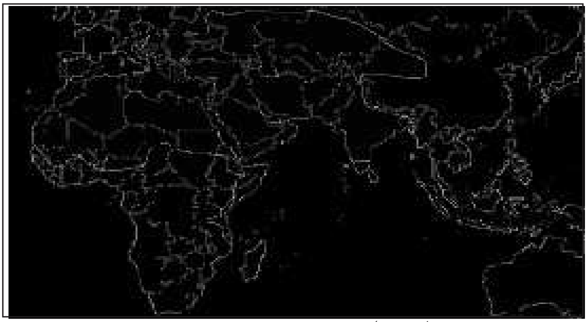

اسلامی حکومت کی بہ یک وقت زیادہ سے زیادہ وسعت

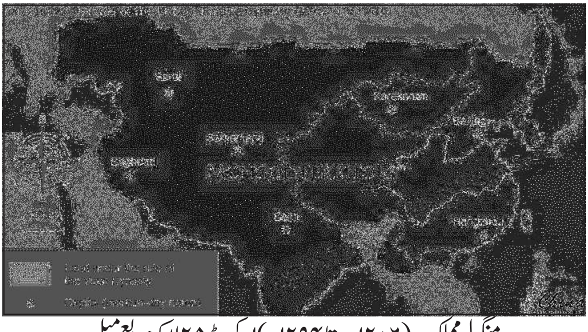

منگول مملکت (۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۴ء) ۱ کروڑ ۲۵ لاکھ مربع میل

"تعارف حاصلِ مطالعہ" سیریز

"حاصل مطالعہ" سلسلۂ مضامین عدیم الفرصت خواتین وحضرات کے استفادہ کی خاطر ترتیب دیے جارہے ہیں۔ان میں حتی الوسع اختصار کی کوشش کی جاتی ہے اور توجہ موضوع کے اہم معلوماتی پہلو پر مرکوز رکھی جاتی ہے۔ جذباتیت،تعصب اور غلو سے پرہیز کی شعوری کوشش کی جاتی ہے۔اس سلسلہ کی سابقہ کتب پر سنجیدہ اہلِ علم نے پسندیدگی اور فراخدلانہ ستائش کا اظہار فرمایا ہے۔

حاصل مطالعہ سلسہ کی چند کتب

صاحب قرآن ﷺ	سوانح نبوی ﷺ بہ ترتیب زمانی
تلخیص مضامین القرآن	قرآن حکیم کی تمام سورتوں کے مضامین کا جدید اردو میں بیان
مضامین القرآن بہ ترتیب نزولی	قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا نزولی ترتیب سے بیان
ذکرِ حبیب ﷺ	سیرۃ پر مختصر، جامع اور مستند کتاب۔مقابلۂ کتب میں انعام یافتہ
سانحۂ کربلا	تاریخی پس منظر
علامہ اقبال کا سفر حیات	اجمالی سانحِ حیات
تذکرۃ الکریم	حضرت مولانا محمد عبدالکریم ہرل کے اجمالی سوانح اور تعلیمی اسفار
سی ایس ایس گائیڈ	مقابلہ کے امتحانات کے لیے جنرل نالج کے MCQs400
بنی اسرائیل	مختصر تعارف اور تاریخ
قدیم ترین مجموعہ ہائے قوانین	حمورابی اور ارنامو وغیرہ کے ہزاروں سال قدیم قوانین کا ترجمہ
اسلامی اور پاکستانی حکومتیں	ڈیڑھ ہزار سال کی مختصر روئیداد
مسلۂ کشمیر	قضیہ کا پس منظر، تاریخ اور حالیہ صورت حال
حاصلِ مطالعہ	مختصر مضامین اور تقاریر

تعارف مصنف

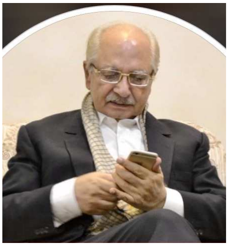

بزرگ مصنف جناب محمد بشیر ہرل واٹر ٹریٹمنٹ کی معروف کمپنی بی ایچ انڈسٹریز کے سربراہ ہیں۔آپ کو سنجیدہ مطالعہ، حج بیت اللہ سمیت ایشیاء یورپ اور امریکہ کے بیشتر ممالک کے متعدد سفر اور مختلف مذاہب کے لوگوں سے تبادلہ خیالات کے مواقع میسر رہے ہیں۔عوام الناس بالخصوص نوجوان نسل میں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کے بارے میں معلومات کی کمی کے پیش نظر عمر کے آخری حصے میں سیرت النبی اور مضامین القرآن پر آسان زبان میں کتب تحریر کر رہے ہیں۔